ABSTRACT

19th Century's Mujadidia Scholars literary contribution.

Shaikh Ahmed Sarhandi S/o Shaikh Abdul Ahad Farooqui (1564-1624 AD) better known as Mujadid Alif Sani is a historic personlality of IndoPakistan. His teachings played a key role in the revival of Islam in India. While the Mujadid Alif Sani and his descendents rendered invaluable religious services, some of them also played significant role in the advancement of Urdu literature.

This article presents overview of Mujadidia Scholars contribution in the Urdu Poetry, Outstanding among Scholars whose contributions are the subject of this study is Shah Rauf Ahmed and Shah Mohammad Masoom, besides nine others.

These poets did not indulge in poetry just for amusement but their Poetry is expressive of their inner feelings and passions, maintain close link between poetic rhythm and the topic. They have used simple Language in expressing their feelings, not only in their poetry but also works in prose authored by them, while following general style and diction of the period, thus contributing to the promotion and evolution of Urdu literature in 19th Century.

ڈاکٹر شذرہ

’’انیسویں صدی میں خانوادۂ مجدّدیہ کی ادبی خدمات‘‘

(ا)

شیخ احمد سرہندی ابنِ شیخ عبدالاحد فاروقی (۱۵۶۴ـ۱۶۲۴ء) المعروف مجدّد الف ثانیؒ برعظیم پاک و ہند کے علمی افق پر چمکنے والا وہ روشن ستارہ تھا جس کی علمی ضوفشانیوں نے نہ صرف اپنے دور کو بلکہ آئندہ ادوار کو بھی منور کیا۔ ان کی تعلیمات نے اسلامی نشاۃِ ثانیہ میں بنیادی کردار ادا کیا۔ مغل بادشاہ اکبر کے فتنۂ الحاد کی بیخ کنی اور راسخ الاعتقادی کا احیاء، وحدت الوجود کا استرداد، اسلامی تعلیمات کو ہندومت کے ساتھ اشتراکِ مقاصد سے روکنا اور انھیں محض وحدت الوجودی تعلیمات نہ بننے دینا۔ ان کے ایسے کارنامے ہیں جن کے اثرات مسلمانوں کی دینی، تہذیبی اور سیاسی تاریخ پر بہت گہرے مرتب ہوئے۔ شرع کی ترویج، طریقۂ نقشبندیہ کی اشاعت،

شریعت اور طریقت کی تطبیق اور بدعت کی مخالفت کے علاوہ مجدد الف ثانیؒ نے جو اہم کام کیا وہ اسلام کا عام احیا تھا آپ نے شعائرِ اسلام کے احترام پر زور دیا۔ انھوں نے خود احیاءِ اسلام کی کوشش کی اس کے علاوہ ایک ایسا وسیع نظام قائم کر دیا جس سے آپ کے مقاصد کی تکمیل ہوئی۔ آپ کے صدہا خلفا تھے جو ہندوستان اور اس سے باہر بھی آپ کے خیالات کی اشاعت کر رہے تھے آپ کے بعد فرزندانِ ارجمند نے آپ کا کام جاری رکھا۔۲

مجدّد الف ثانیؒ اور ان کے خانوادے نے جہاں گراں قدر مذہبی خدمات سرانجام دیں وہیں اس خانوادے سے وابستہ افراد نے اردو شعر و ادب کے فروغ میں اپنا کردار ادا کیا۔ ذیل میں انیسویں صدی عیسوی میں خانوادہ مجدّدیہ کی اردو خدمات کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

(۲)

ا۔ شاہ رؤف احمد:

شاہ رؤف احمد بن شعور احمد کی ولادت ۱۴محرم الحرام ۱۲۰۱ھ/ ۱۷۸۶ء کو مصطفےٰ آباد عرف رام پور میں ہوئی، تاریخی نام ''رحمٰن بخش'' ہے۔۳ ان کی مثنوی ''زلیخائے ہندی'' سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا آبائی وطن ''شہرند'' تھا۔

وطن میرے آبا کا ''شہرند'' ہے وہ شہر ند کیا کہ دلِ ہند ہے ۴

سلسلۂ نسب کے متعلق لکھتے ہیں:

مجدّد سے رکھتا ہوں میں انتساب کہ جوں شمس روشن ہے جس کا جناب ۵

انھیں کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خراب حالات کی وجہ سے افرادِ خاندان مختلف علاقوں میں منتشر ہو گئے اور ان کے اجداد نے رام پور کی راہ لی۶ علومِ ظاہری کی تحصیل اپنے ماموں شاہ سراج احمد مجدّدی سے کی، مفتی شرف الدّین رام پوری اور شاہ عبدالعزیز سے بھی اکتسابِ علوم کیا۔۷ علومِ عقلیہ کی تحصیل کے بعد شیخ درگاہی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بارہ سال ان سے منسلک رہے اس کے بعد شاہ غلام علی کی خدمت میں دہلی گئے اور سلوک و تصوف میں اجازت و خلافت حاصل کی۔ دعوت وارشاد کے لیے کئی مقامات پر قیام کیا، آخر میں بھوپال میں سکونت پذیر ہو گئے۔ ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۳ء کو حج کے لیے جاتے ہوئے راستے میں یمن کے قریب وصال فرمایا۔ ''یلملم'' کے مقام پر تدفین ہوئی۔۸

شاہ رؤف احمد نے اردو اور فارسی میں شاعری کی، رافتؔ تخلص تھا، آپ جرأتؔ کے شاگرد تھے ۹ ''تفسیر مجدّدی المعروف بہ تفسیرِ رؤفی میں ''رافتؔ'' اور ''رافتاؔ'' تخلص استعمال کیے گئے ہیں۔ رافتؔ کا ذکر انیسویں صدی کے بیش تر تذکروں میں کیا گیا ہے ان کی علمی و ادبی اور شعری صلاحیتوں کا اعتراف ہر ایک نے کیا۔ عبدالغفور نساخؔ رافتؔ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''بڑے زبردست عالم تھے، عروض و قوافی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔۔۔ جمیع اصنافِ سخن پر قادر تھے''۔۱۰ بقول نواب مصطفےٰ خان شیفتہؔ، صنائع لفظی کے شائق تھے۔۱۱ نساخؔ اور محمد عبدالحیٔ بدایونی نے شاہ رؤف احمد کے سات دواوین کا ذکر کیا ہے۔ جن میں سے چھے اردو میں اور ایک فارسی میں ہے۔ ان کے علاوہ بھوپال میں ۱۸۲۳ء سے ۱۸۳۳ء تک درج ذیل کتابیں تصنیف کیں:

۱۔ **دیوانِ رافتؔ**: ۴۲۰صفحات کا قلمی دیوان تقریباً ۵ ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

۲۔ **کلیاتِ رافتؔ**: ۳۳۰ صفحات کا قلمی کلیات ہے جس میں تقریباً ۴ ہزار اشعار ہیں۔

۳۔ **مثنوی زلیخائے ہندی**: دو ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

۴۔ **مثنوی قصۂ یہودی**: ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔

۵۔ **رسالہ مولود**: اس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار ہیں۔

۶۔ فقہ ہندی: اس میں چھ سو اشعار ہیں۔

ان تمام تصانیف کے قلمی نسخے سینٹرل لائبریری بھوپال میں موجود ہیں۔۱۲؎

اردو نثر میں درج ذیل کتابیں لکھیں:

۱۔مرغوبُ القلوب فی معراجِ المحبوب ۲۔ارکانِ اسلام ۳۔تفسیر مجدّدی المعروف بہ تفسیرِ رؤفی

شاہ رؤف احمد کو معارف و حقائق کو نظم کرنے پر خاص قدرت تھی۔ ابوالحسن علی ندوی رقم طراز ہیں کہ ''اکثر اپنے قلبی واردات اور کیفیات باطنی کو نظم کے پیرایہ میں ادا [کذا: کیا ہے] اور حدیثِ دیگراں میں سرِ دلبراں کی نقاب کشائی کی ہے''۔۱۳؎

شاہ رؤف احمد کی غزلوں میں دہلوی داخلیت اور لکھنوی خارجیت کا مناسب اشتراک پایا جاتا ہے۔ وہ غزل گوئی میں جراتؔ کے نقشِ قدم پر چلتے نظر آتے ہیں لیکن صوفیانہ رجحان کی بدولت داخلیت اور پاکیزگی قائم رہتی ہے۔ اس لیے ان کے یہاں ابتذال اور معاملہ بندی نظر نہیں آتی۔ ان کے یہاں شکوہِ لفظی، بندش کی چستی، روزمرّہ و محاورے کا برمحل استعمال اور صنائع و بدائع کا فنکارانہ استعمال پایا جاتا ہے اس کے علاوہ ان کا کلام ناہمواری سے بڑی حد تک پاک ہے۔۱۴؎ چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

؎ غم یار ایسا ستانے لگا ۔۔۔ کہ جی تن سے گھبرا کے جانے لگا
رقیبوں سے مل مل کے وہ نازنیں ۔۔۔ مجھے خاک و خون میں ملانے لگا

(انتخابِ یادگار: ۱۴۴، خمخانۂ جاوید جلد سوم، ص: ۳۵۰)

؎ گرمی رخساروں کی دیکھے جو وہ یار آئینے میں ۔۔۔ جو ہر آئنہ ہو جائے شرار آئینے میں
رافتؔ اچپل وہ بھلا کب مرے گھر ٹھہرے ہے ۔۔۔ عکس کو جس کے نہ آتا ہو قرار آئینے میں

(سخنِ شعراء: ص: ۱۷۸، مجموعۂ نغز: ص: ۲۶۶)

؎ جو کچھ ہے اُس میں ادا و شوخی سو کب ہے حور و پری میں ایسی ۔۔۔ خدا ہی جانے ہوا ہے مخفی یہ کون آ قالبِ بشر میں

(مجموعۂ نغز: ص: ۲۶۶)

؎ سیاہی مو شامِ ہجراں ہوئی ۔۔۔ ہر اک زلف خوابِ پریشاں ہوئی

(شمیمِ سخن: جلد اوّل، ص: ۱۲۶)

ے نسبت میانِ عاشق و معشوق دیکھ تو | رافتؔ کے دل پہ داغ ہے اوس گل کے منہ پہ تل
پھوٹ کر روئے ہم اون سے مل کے | پر نہ پھوٹے یہ پھپھولے دل کے

(انتخابِ یادگار: ص:۱۴۴)

ے کاکل پیچاں کا تیرے دھیان جی میں جو نہ ہو | پھر درازی عمر کی کس کام کی ہے ہو نہ ہو
کیا عجب ٹپکے درو دیوار سے حسرت وہاں | جس جگہ وہ ہو، نہ ہم ہوں یا کہ ہم ہوں وہ نہ ہو
لیک جب دل ہو ملا تو اس کے کیا معنی کہ لطف | ہم کو ہو تم کو نہ ہو اور تم کو ہو ہم کو نہ ہو
چھٹ گئی اس سے ہم آغوشی جو رافتؔ تو بتا | کیوں کہ غم جی کو نہ ہو، تن کو نہ ہو دل کو نہ ہو

(اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ: ص:۱۴۵)

رافتؔ نے مثنوی کی صنف پر بھی طبع آزمائی کی آپ سے دو مثنویاں یادگار ہیں (۱) مثنوی زلیخائے ہندی ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) (۲) مثنویِ سراپا سوز معروف بہ ''قصۂ یہودی'' ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) یہ دونوں مثنویاں رافتؔ کی شاعرانہ زندگی کی آخری یادگار ہیں۔ ان کی مثنویوں میں زبان کی لطافت وسادگی اور روانی پائی جاتی ہے۔ جامعیت، اصلیت اور مناسبت، جو مثنوی کی ضروری شرائط ہیں، بہ درجۂ اتم پائی جاتی ہیں۔ کردار نگاری، جذبات نگاری اور قلبی واردات کے حسین مرقعے بھی ملتے ہیں۔ ڈاکٹر سلیم حامد رضوی رافتؔ کی مثنویوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''رافتؔ جس شہرت کے مستحق تھے وہ انھیں غالباً اس لیے حاصل نہ ہو سکی کہ اول تو ان کی مثنویاں شائع نہیں ہوئیں، دوسرے قصۂ یوسف زلیخا کوئی نیا قصہ نہ تھا۔ زمانہ قدیم سے اس پر بارہا طبع آزمائی کی جا چکی تھی اگر کوئی نیا قصہ انتخاب کرتے تو خیال ہے کہ وہ اپنی فن کارانہ صلاحیتوں کی بدولت مثنوی نگاروں کی صفِ اول میں آجاتے۔''[۱۵]

مثنوی ''زلیخائے ہندی'' میں میرحسن کی مثنوی ''سحر البیان'' کے انداز کی جھلک نظر آتی ہے چند اشعار بطورِ نمونہ درج ذیل ہیں:

ے چلا باغ کو وہ گل اندام ہے | کہ ہر گل خوشی سے بنا جام ہے
عمارت کی خوبی کا کیا ہو بیاں | امارت کی اک شان جس سے عیاں
خطوطِ طلائی و مینا کا رنگ | در و بام پر، جس سے ہو عقل دنگ
سنہری روپہلی وہ نقش و نگار | عیاں جس سے تھا رنگِ لیل و نہار
جڑاؤ چھتیں وہ جواہر سے گُل | جڑے لعل و یاقوت کے جس میں گُل
مُغرّق وہ زربفت کے سائباں | لگیں جس میں مقیش کی ڈوریاں
پڑی چلمنیں اس روش جالدار | پری پھنس رہے دیکھ جس کی بہار
فصیل اس کی مر مر سے تعمیر کی | کھچی سنگِ موسیٰ کی تحریر تھی

چھِقیں جس کی تارِ نظر سے بُنیں　　　　نہ دیکھیں کسی نے نہ ویسی سنیں ۱۶؎

ان اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ رافتؔ نہ صرف میر حسن کی مثنوی نگاری سے متاثر تھے بلکہ انھوں نے اس انداز کی پیروی بھی کی۔

مرغوب القلوب فی معراج المحبوب:

یہ کتاب ۱۲۴۹ھ/۱۸۳۴ء میں لکھی گئی، ۲۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ کتاب کا آغاز آیتِ مبارکہ سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ سے ہوتا ہے اس آیت کے ترجمے کے بعد ۱۱۴ اشعار ہیں۔ حمد و نعت کے بعد بیان واقعۂ معراج کا آغاز، اس سفر کی تاریخ، حالتِ بیداری یا خواب میں معراج پر جانے اور معراج کے مکان کے بارے میں پائے جانے والے اختلافات کو واضح کیا ہے اور ان کے جواب دیئے ہیں۔ عموماً واقعۂ معراج کے بیان میں اس سفر کے حالات و واقعات بیان کرنے کا رجحان پایا جاتا تھا، شاہ رؤف احمد نے سفرِ معراج کے واقعات ہی کو بیان نہیں کیا بلکہ اس سفر میں پوشیدہ رُموز و نِکات کو بھی بیان کیا ہے اس کے علاوہ سفرِ معراج کے وقوع کی ۱۰ تمثیلات بیان کی ہیں تاکہ جن لوگوں کو اس سفر کے بارے میں شبہ ہے وہ رفع ہو سکے۔

واقعاتی لحاظ سے یہ معراج نامہ اہمیت کا حامل ہے اس میں سفرِ معراج کو مکمل جزئیات کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ باعتبارِ اسلوب بھی یہ معراج نامہ اہمیت کا حامل ہے اس کی زبان کہیں مرصع و مقفّٰی، کہیں رنگین اور کہیں سادہ ہے یعنی اس کتاب میں سادگی و سلاست اور تکلف و تصنع باہم موجود ہیں۔ قافیہ پیمائی کی مثال ملاحظہ ہو:

''عندلیبِ گلستانِ احدیّت، بلبلِ بوستانِ صمدیّت، مقصودِ وجودِ کائنات، بہبودِ نمودِ موجودات، گوہرِ درجِ صفا، اخترِ برجِ وفا، مہرِ سپہرِ نبوت، ماہِ سماءِ فتوت، طوطئ شکرستانِ محبوبی، طاؤسِ بُستانِ خوبی، اعجوبہ کارِستانِ وجود، مجموعہ نگارستانِ شہود''۔ ۱۷؎

نثرِ رنگین کی ایک مثال ملاحظہ ہو:

''دلالہ جو واسطے وصالِ عاشق و معشوق ہے اور موجبِ اتصالِ محبِّ محبوب، جس قدر وصف و جمالِ محبوب کا بیان کرے عاشق کو بے تاب و تواں کرے لیکن جب معشوق بن ٹھن کر سج دھج دکھاوے اور بے پردہ مقامِ جلوہ گری میں آوے تو سچ ہے کہ یہ دھج ہی اور، اور وہ اشارات اور ہیں یہ بات اور ہی ہے، وہ کچھ بات اور ہے۔ فرمایا اے محمد ﷺ مدت سے تو آوازہ حسن و جمال اور دبدبۂ جاہ و جلال میرا بواسطہ جبرئیل سنتا ہے اٹھ یہاں آ، بے واسطہ حسن و جمال میرا دیکھ کہ زیورِ کمال سے آراستہ ہے نقاب و حجاب جلال نے چہرۂ عروسِ جمال سے اٹھایا ہے اور بحارِ مالامال افضالِ موجِ جود سے اوپر عالمِ شہود کے لایا ہے اور دُرِّ وحدتِ ذات صدفِ صفات سے نکل آیا ہے۔'' ۱۸؎

سادہ و رواں اسلوب بھی موجود ہے ایک اقتباس بطور نمونہ درج ذیل ہے:

''فرمایا آپ نے اے جبرئیل آج حق تعالیٰ نے مجھے مقامِ قرب میں بلایا بُراق سواری کو بھیجا، ملائکہ کو منتظر کیا، مجھ کو یہ اعزاز و اکرام بخشا اب اندیشہ یہ ہے کہ فردائے قیامت امت کو میری مقابر سے اٹھاویں گے گرسنہ شکم، برہنہ تن

،بار گناہ بر گردن پچاس ہزار سال کی راہِ قیامت قطع کرنی درپیش ہوگی اور ۳۰ ہزار برس کی راہ کا پل صراط باریک تاریک روے دوزخ پر کھینچا ہوگا وے بچارے بے بضاعت کس طور پر قطع مسافت کو کریں گے اور اس راہ دراز کو کس قدم سے طے کریں گے۔''[۱۹]

شاہ رؤف احمد نے جابجا ہندی الفاظ بھی استعمال کیے ہیں لیکن ان کے استعمال سے روانی متاثر نہیں ہوتی ۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

جہاں مراکب انبیاء کا تھان تھا۔	(مرغوب:ص:۹۹)
ستر ہزار زنجیروں سے پاؤ بند تھی۔	(ایضاً:ص:۱۰۳)
ہر ایک دریا کا پاٹ ستر ہزار درجے آسمان اور زمین سے زیادہ تھا۔	(ایضاً:ص:۱۶۷)
دیواریں بہشت کی گنگا جمنی بہتی ہوئی تھیں	(ایضاً:ص:۱۶۸)

ڈاکٹر انور محمود خالد اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں ''بڑی سادہ، سبک اور عام فہم زبان میں واقعۂ معراج کی تفصیلات کو قلم بند کیا ہے۔''[۲۰]

الفاظ کے دروبست میں تاخیر و تقدیم کا قدیم رنگ پایا جاتا ہے لیکن ایسی مثالیں کم ہیں: ''مرغوبُ القُلوب'' میں نعت اور فضائل و مقامات کا بیان مقفّٰی و عالمانہ ہے۔عبارت عربی، فارسی الفاظ سے معمور ہے۔ باقی مضامین سادہ عبارت میں ہیں۔موقع محل کی مناسبت سے اشعار بھی دیئے گئے ہیں۔قصیدہ، مثنوی، قطعہ، رباعی، نظم، مناجات، مسدس اور غزل۔ان تمام اصناف میں اشعار موجود ہیں۔چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کون لایا کس کو لایا کس نے بلوایا ہے واہ
داعی ایسا مدعو ایسا رہبر ایسا چاہئے
(مرغوب:ص:۵۰)

بخوف نزع رہیں کیوں محیط غم میں غریق
خدا رحیم، ملک مہربان، نبی ہیں شفیق
(ایضاً:ص:۸۹)

روزِ حساب میں مجھے کیا ڈر حساب کا
فدوی ہوں میں جنابِ رسالت مآب کا
(ایضاً:ص:۱۴۷)

اے دلِ دیوانہ گلگشتِ چمن کر گل کو دیکھ
دشت کے خاروں میں کیوں دامن عبث الجھائے ہے
(ایضاً ص:۱۵۴)

کتاب کا اختتام ۱۳۱ اشعار پر مشتمل مناجات پر ہوا ہے۔

مولوی احمد بیگ:

مسدس ''مولودِاحمدیہ'' ۱۲۵۴ھ میں ممبئ سے شائع ہوئی اس میں نورِمحمدی کی تخلیق سے آپﷺ کے اس دنیا سے رخصت ہونے تک کے حالات اختصار و جامعیت سے بیان کیے گئے ہیں۔صنائع وبدائع کا استعمال، برجستگی وسلاست اور روانی اس مولود کی نمایاں خصوصیات ہیں۔اس میں رسول اللہﷺ کے فضائل ومناقب کے بیان کی بجائے آپﷺ کی حیات مبارکہ، حالات ونمایاں واقعات کے بیان پرتوجہ مرکوز کی گئی ہے۔سادگی وسہل بیانی، روانی اس مولود کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ایک بند ملاحظہ ہو:

؎ عرشِ اعظم پہ گئے اور آئے پہنچے وہاں وہم نہ جس جا جائے
قرب کے حق نے مکاں دکھلائے جنت و نار سبھی بتلائے
جانا آنا یہ سب ایک آن کا تھا یہ سفر واہ عجب شان کا تھا[۲۱]

صنائع وبدائع کا برمحل وموزوں استعمال بھی پایا جاتا ہے چند مثالیں درج ذیل ہیں:

صنعتِ تجنیسِ تام:

؎ عالم کون میں یہاں کون آتا نہیں امکان کہ امکاں بھاتا
(مولود:ص:۲)

صنعتِ تجنیسِ مشابہ:

؎ واہ کیا کیا کیا حق نے ظاہر نور سے اس کے اسی کی خاطر
(ایضاً:ص:۳)

صنعتِ تجنیسِ مطرف:

؎ ہوا دنیا میں وہ جوں چاند طلوع چاند بھی جس سے ہوا ماند طلوع
(ایضاً:ص:۷)

؎ عقل اس نقل سے بھی ہے بہکے بڑھتے ہر دن تھے برابر مہ کے
(ایضاً:ص:۱۱)

؎ جس نے نظارہ کیا مست ہوا سرتکبر کا جھکا پست ہوا
(ایضاً:ص:۱۷)

صنعتِ تجنیسِ خطی:

؎ عسرت ان کی گئی عشرت آئی یہ بھی ان پہ رضاعت لائی
(ایضاً:ص:۱۰)

صنعتِ تضاد:

؎ مرگ ہر دم میں دکھاتے تھے اسے   جوں بڑھتے تھے گھٹاتے تھے اسے

(ایضاً:ص:۱۱)

شاہ رؤف احمد نے اس مولود میں رسول اللہﷺ کے نور کی تخلیق سے آپ کے وصال تک کا اجمالی خاکہ صاف سادہ اور رواں زبان میں پیش کیا ہے۔

ارکان اسلام:

جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے یہ کتاب اسلام کے پانچ بنیادی ارکان، توحید، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ ان ارکان میں سے نماز کا ذکر مفصّل کیا گیا ہے جب کہ دیگر ارکان کا ذکر اختصار سے کیا گیا ہے۔ شاہ رؤف احمد نے یہ کتاب ایسے افراد کے لیے لکھی جو عربی، فارسی سے نا آشنا ہیں۔ وجہ تصنیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''بعضے لوگ جو علم سے بہرہ نہیں رکھتے ہیں، عربی، فارسی اون کو سمجھنا مشکل ہے اون کے واسطے کتنے مسئلے ضروری لکھے۔''[۲۲]

انھوں نے یہ کتاب عام فہم زبان میں لکھی ہے اس زمانے کے اسلوب کا انداز پایا جاتا ہے لفظوں کی تقدیم و تاخیر بھی پائی جاتی ہے۔

تفسیر مجدّدی:

''تفسیر مجدّدی'' معروف بہ تفسیرِ رؤفی دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ اردو زبان کی پہلی مکمل تفسیر ہے جو زیورِ طبع سے آراستہ ہوئی۔[۲۳] اسے لکھنے کا آغاز ۱۲۳۹ھ میں ہوا بعد ازاں مختلف عوارض کے باعث چند سال اس کا لکھنا معطل رہا بالآخر بھوپال شہر میں بروز بدھ بوقتِ صبح ۱۱ ذی القعدہ ۱۲۴۸ھ کو یہ تفسیر مکمل ہوئی۔[۲۴] اس طرح ۹ سال کے عرصے میں یہ تفسیر مکمل ہوئی۔ اس کے آغاز کی تاریخ ''**رَبِّ یَسِّرْ وَلَاتُعَسِّرْ**'' اور تاریخ اتمام ''**تَمَّ الْکِتَابُ بِعَوْنِ الْعَلِیْمِ الْوَهَّاب**'' سے برآمد ہوتی ہے۔ نیز ہجری سال کے مطابق تاریخ ختمِ کتاب کے آغاز میں لکھے دس اشعار کے ابتدائی حروف سے ''صنعتِ توشیع'' سے برآمد ہوتی ہے[۲۵] وہ دس اشعار یہ ہیں:

؎ ثنا لکھ اس کی اے کلکِ دُر افشاں   پیمبر پر اتارا جس نے قرآں
تو اس میں اگرچہ از بس نارسا ہے   ولے یہاں عجز اصل مدعا ہے
یہی سچ ہے کہ اپنا وہ خدا ہے   ثنا سے بھی جو برتر ہے، ورا ہے
گماں سے وہم سے ادراک سے دور   کہ ہے وہ پاک ذہن ِخاک سے دور
جو کچھ خوبی ہے سو ہے اس میں موجود   وہی ہے ایک کُل عالم کا معبود
بسایا جس نے صحرائے عدم کو   بنایا جس نے ہے لوح و قلم کو
دکھائی نیستی سے ہم کو ہستی   بنائی سب بلندی اور پستی
شمار انعام کا اسکے کریں کیا   کئے احسان اس نے ہم پہ لکھ ہا

دیا فہم و ذکا پھر اس نے ہم کو　　　دیا ذہن رسا پھر اُس نے ہم کو
ہوا وابر، ارض و چرخ ،کو کب　　　ہمارے واسطے پیدا کئے سب ۲۶

شاہ رؤف احمد نے اس تفسیر کو لکھنے میں کتبِ تفاسیر، احادیثِ صحیحہ، کُتبِ فقہ کے علاوہ صوفیائے کرام کی معتبر کتابوں سے مدد لی، بعض رموز ونِکات خود بھی بیان کیے، تفسیر میں موجود منظوم کلام ان کا اپنا ہے۔ ۲۷ انھوں نے یہ تفسیر عام فہم زبان میں لکھی۔ قدیم انداز کے مطابق لفظوں کی تقدیم وتاخیر پائی جاتی ہے جس سے عبارت کی روانی متاثر ہوتی ہے لیکن یہ اس دور کا عام انداز تھا۔ عربی، فارسی کے علاوہ کہیں کہیں ہندی الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں موقع ومحل کے مطابق ضرب الامثال اور محاوروں کا استعمال بھی کیا گیا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

جس کو پیا چاہے وہی سہا گن ہو۔ ۲۸

سانچ کو آنچ نہیں۔ ۲۹

آپ کو فضیحت اور کو نصیحت۔ ۳۰

تفسیر میں موقع ومحل کی مناسبت سے مطالب کی توضیح کے لیے مصرع، فرد، قطعہ، مثنوی، نظم، غزل کی ہیئت میں اشعار دیئے ہیں۔ زیادہ تر اشعار بیت اور نظم کے عنوان سے دیئے گئے ہیں۔ سورہ توبہ کی آیت نمبر۴ میں ''اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ'' کی تفسیر میں متقی کی چار نشانیوں کا ذکر کرتے ہوئے ان نشانیوں کو نظم میں اس طرح بیان کیا ہے:

؎ متقی کی نشانیاں ہیں چار　　　حفظِ احکامِ شرع سے اے یار
دوسری جس قدر کہ تجھ سے ہو　　　مال اسباب دے فقیروں کو
تیسری عہد توڑنے سے ڈر　　　چوتھی موجود پر قناعت کر ۳۱

قرآنی آیات کے ترجمے میں کہیں کہیں زائد الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے تاکہ قرآنی الفاظ ومطالب کی بآسانی تفہیم ہو سکے۔ مثلاً:

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا۔

ترجمہ: ''اور ہے اللہ سننے والا گفتار کا دیکھنے والا کردار کا'' ۳۲

اس میں 'گفتار کا' اور 'کردار کا' زائد الفاظ ہیں۔

شاہ رؤف احمد نے تفسیر عام فہم زبان میں لکھی نمونہ عبارت درج ذیل ہے:

''**وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى**'' ترجمہ: ''اور پایا تجھ کو خدا تیرے نے راہ بھولا پس راہ دکھائی تجھ کو''۔ یہ اشارہ ہے طرف اس قصے کے کہ حضرت ﷺ کو بچپن میں حلیمہ سعدیہ دودھ پلانے کے واسطے لے گئی تھیں جب چھے برس کے آپ ہوئے تو آپ کے دادا اور ماں کے پاس لائی تھیں جب قریب مکہ کے پہنچیں تو آپ گم گئے بہت

ڈھونڈا آپ کو نہ پایا۔ یہ خبر آپ کے دادا کو پہنچی وہ سوار ہو کر ڈھونڈھنے کو نکلے حق تعالیٰ نے ان کو اسی درخت کے نیچے جہاں آپ بیٹھے تھے، پہنچا دیا۔ جب آپ شام کو میسرہ کو لے کر تجارت کو گئے تھے اور اونٹ آپ کا راہ سے پھر گیا تھا تو جبرئیل کو حق تعالیٰ نے بھیج کر راہ لگا دیا تھا یا راہ بھولا تھا ساتھ علم احکام کے تجھ کو راہ دکھائی حقایقِ سلمی میں مذکور ہے کہ پایا تجھ کو بحرِ محبت میں غرق پس مقامِ قرب میں پہنچایا۔''۳۳

اس تفسیر میں شاہ رؤف احمد نے بعض جگہ اپنا تخلص رأفتؔ بھی لکھا ہے۔

؎ رأفتؔ جب تلک ہے دم میں دم خط طاعت سے مت نکال قدم ۳۴

۲۔شاہ احمد سعید:

شاہ احمد سعید بن شاہ ابوسعید کی ولادت ربیع الاوّل ۱۲۱۷ھ کو رام پور میں ہوئی۔ تاریخ ولادت ''مظہرِ یزداں'' ہے۔ مفتی شرف الدین اور مولوی سراج احمد سے ابتدائی کتابیں پڑھیں اکثر کتبِ تصوف شاہ غلام علی سے پڑھیں۔ علومِ عقلیہ ونقلیہ، علمِ حدیث وتفسیر کی تحصیل فضل امام خیر آبادی، مولوی رشید الدین دہلوی، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالعزیز سے کی۔ ۳۵ آپ کا وصال ربیع الاوّل ۱۲۷۷ھ کو مدینہ منورہ میں ہوا۔ ۳۶

شاہ احمد سعید، صاحبِ تصنیف تھے۔ آپ نے ۱۸۵۰ء کے قریب اردو میں ایک رسالہ ''سعید البیان فی مولد سید الانس والجان'' لکھا۔ ۳۷ ، ۶۵ صفحات پر مشتمل یہ رسالہ ۱۹۲۰ء میں دوسری بار شمس المطابع میرٹھ سے شائع ہوا۔ رسالے کے آغاز میں حمد وصلاۃ کے بعد قرآنِ پاک کی آیاتِ مبارکہ، صحابۂ کرام، تابعین ومفسرین کے تفسیری اقوال، احادیثِ مبارکہ اور توریت کے حوالوں سے رسول اللہ ﷺ کے فضائل وکمالات بیان کیے گئے ہیں۔ ۳۸ رسول اللہ ﷺ کے نور سے کائنات کی تخلیق، اس نور کی نسل در نسل منتقلی اور آپ کی ولادت سے اس دنیا سے پردہ فرمانے تک کے احوال کو اختصار سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کا حلیہ مبارک، اخلاقِ حمیدہ اور معجزات کو بھی بیان کیا ہے۔ شاہ سعید احمد نے یہ رسالہ سادہ، رواں اور عام فہم زبان میں لکھا ہے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ''جتنے جن اور شیاطین تھے آسمان کے جانے سے باز رہے اور ستارہ زمین سے ایسے دکھائی دیتے تھے کہ گویا زمین پر گرے۔ بالکل زمین حرم کی روشن ہوئی اور آگ اہلِ فارس کی کہ ہزار برس سے جلتی تھی کسریٰ اور اہلِ فارس مشک وعنبر اُس میں ڈال کر پوجتے تھے، بجھ گئی، جس دم حضرت ﷺ نے اُس گلزارِ ارواح سے اس چار بازارِ اشباح میں گزر فرمایا پہلے سجدہ کیا اور انگشت شہادت اٹھا کر فرمایا لا الٰہ الا اللہ انی رسول اللہ۔ عبدالمطلب نے اس مژدۂ جان نثار کو سن کر بہت شادی کی۔'' ۳۹

مسجع ومُقفّٰی عبارت بھی پائی جاتی ہے دو اقتباس ملاحظہ ہوں:

> ''اس مہرِ سپہرِ نبوت ماہِ سماءِ رسالت نے مطالعِ فلکِ سعادت سے نورِ شہود کا دکھایا اور قدومِ میمنت لزوم برجِ حمل سے باہر لا کر نورِ ظہور اپنے سے زمین وزماں کو مشرف فرمایا۔'' ۴۰

”مرحبا کہ ایسا آفتابِ خوش نما مطلعِ غیب سے طلوع ہوا اور حبذا کہ ایسا ماہتاب جہاں تاب افقِ غیب سے شیوع ہوا۔ ظلمت کفر کی ساتھ نورِ اسلام کے مبدّل ہوئی اور کدورت دل کی ساتھ شعلۂ عرفاں کے مشتعل ہوئی۔[۴۱]

اس رسالے کا اسلوب قدیم انداز کا حامل ہے فعل اور حروف جار کی تقدیم پائی جاتی ہے۔ اس رسالے کی اہم خوبی سادہ زبان، اختصار و جامعیت اور مستند و معتبر حالات و واقعات کا بیان ہے۔ موقع و محل کی مناسبت سے عربی، فارسی اور اردو اشعار بھی دیئے گئے ہیں اکثر اشعار شاہ رؤف احمد رافتؔ کے ہیں۔

۳۔ شاہ عبدالغنی:

شاہ عبدالغنی بن شاہ ابوسعید ۲۵ شعبان ۱۲۳۵ھ کو دہلی میں پیدا ہوئے۔[۴۲] شاہ مخصوص اللہ نیز شاہ محمد اسحاق دہلوی سے علمِ حدیث حاصل کیا۔[۴۳] شیخ محمد عابد انصاری سندھی مدنی سے سندِ علمِ حدیث حاصل کی اس کے علاوہ شیخ ابوزاہد اسماعیل بن ادریس رومی ثم المدنی سے اجازت حاصل کی۔[۴۴] ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہجرت کر کے مدینۂ منوّرہ میں سکونت اختیار کی جہاں ۷ رمحرم الحرام ۱۲۹۴ھ کو وصال ہوا۔[۴۵]

شاہ عبدالغنی شعر و شاعری سے شغف رکھتے تھے۔ تخلص غنیؔ تھا۔ مولانا امداد صابری نے ان کی ایک غزل نقل کی ہے جس میں استادانہ پختگی پائی جاتی ہے۔[۴۶]

رواں ہے چشم سے یاقوتِ گلگوں — اُگا ہے گلشن لا بُد ہا موں
اگر چاہے تو راحت دو جہاں کی — مٹا دے دل سے اپنے نقشِ مادوں
کجا صوفی، وصالِ یار ہیہات — کہاں ممکن، کہاں وہ ذاتِ بیچوں
یہی ہے خیر، حق میں تیرے عارف — فراقِ یار میں دل ہووے پُرخوں
ظہورِ احمدی گر یاں نہ ہوتا — زمیں کے گرد، کیوں پھرتا یہ گردوں
کوئی حسرت رہے دل میں نہ باقی — ترے کوچے میں ہوجاؤں جو مدفوں
قناعت گر کرو تم اے عزیز و — دھسو پھر کیوں زمیں میں مثل قاروں
غنیؔ تو عشق کا ہرگز نہ دم بھر — کہ حیراں ہیں یہاں موسیٰ وہاروں

(حجازِ مقدس کے اردو شاعر: ص: ۳۲۴)

۴۔ شاہ عبدالرشید:

شاہ عبدالرشید بن شاہ احمد سعید کی ولادت جمادی الآخر ۱۷۳۷ء کو لکھنؤ میں ہوئی۔[۴۷] فقہ و اصول اور حدیث و تفسیر اور تصوف کی اکثر کتابیں اپنے والد سے پڑھیں۔ کتبِ حدیث مولوی مخصوص اللہ اور شاہ محمد اسحاق سے پڑھ کر شاہ ولی اللہ کی تمام مرویات کی سندِ اجازت حاصل کی۔ ۱۲۵۶ھ میں حرمین شریفین گئے جہاں شیخ عبداللہ سراج شیخ العلماءِ مکہ سے حدیث کی اجازت حاصل کی۔[۴۸]

۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے بعد والد کے ہمراہ عربستان ہجرت کر گئے، مدینۂ منوّرہ میں سکونت اختیار کی جہاں ان کا وصال ۱۶ ذی الحجہ ۱۲۸۷ھ کو ہوا۔۴۹؎

شاہ عبدالرشید اردو میں شاعری کرتے تھے۔ آپ کا تخلص رشیدؔ تھا۔ نمونہ کلام درجِ ذیل ہے:

رقصِ بسمل دیکھنے کا ہوگیا شاید خیال — جلوہ فرما وہ جو مقتل میں بہ تیغ تیز ہے
غرقِ بحرِ رحمتِ یزداں ہے بے شک وہ مدام — شکلِ شبنم خوف سے جو چشم گوہر ریز ہے
آرہے ہیں برہنہ شمشیر وہ مقتل میں آج — دیکھیے پیانہ کس کی عمر کا لبریز ہے

قندو نبات سامنے میرے کریں نہ بات — ہے نخلِ یثربی کے رُطب کا مزا پسند
جیتے ہی جی وہ داخلِ جنت ہوا رشید — بہر قیام جس نے مدینہ کیا پسند

(حجازِ مقدس کے اردو شاعر: ص:۲۳۹)

۵۔شاہ محمد عمر:

شاہ محمد عمر بن شاہ احمد سعید کی ولادت ۱۲۴۴ھ کو دہلی میں ہوئی۔ ابتدائی کتابیں مولوی حبیب اللہ سے پڑھیں۔ شاہ عبدالغنی سے علمِ حدیث حاصل کیا۔ اکثر علومِ دینیہ اور کتبِ تصوف شاہ احمد سعید سے پڑھیں۔ ۱۸۵۷ء کے بعد والد کے ہمراہ مکہ معظّمہ ہجرت کر گئے۔ نواب کلب علی خان کے اصرار پر ان کے صاحب زادے کا نکاح پڑھانے کے لیے رام پور آئے جہاں ۲ محرم الحرام ۱۲۹۸ھ کو آپ کا وصال ہوا۔۵۰؎

شاہ محمد عمر فارسی اور اردو میں شاعری کرتے تھے، تخلص عمرؔ تھا۔ کسی سے تلمذ کا اتفاق نہیں ہوا۔۵۱؎ امیر مینائی نے تذکرہ ''انتخابِ یادگار'' میں شاہ محمد عمر کے ۷ اردو اشعار اور ۵ فارسی اشعار دیئے ہیں۔ شاہ محمد معصوم مجدّدی شاہ محمد عمر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''نرم کلام، شیریں گفتار جو سنتا شیفتہ ہوتا، موزونیٔ طبع وجودتِ فکر بدرجۂ غایت آپ کو حاصل تھی۔''۵۲؎

شاہ محمد عمر کے دستیاب اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی زبان بالکل سادہ عام فہم ہے۔ اکثر اشعار میں سہلِ ممتنع کی خوبی پائی جاتی ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ درجِ ذیل ہیں:

بات جب نامِ خدا کرتے ہیں — پھول ہونٹوں سے جھڑا کرتے ہیں
لبِ اعجاز جو وا کرتے ہیں — زندہ مخلوقِ خدا کرتے ہیں
بن گیا ہے دل عالمِ مسکن — آپ کعبہ میں رہا کرتے ہیں
لو دلوں کی خبر اے شعلہ رُخو — گھر تمھارے ہی جلا کرتے ہیں

جستجو کی انھیں حاجت کیا ہے | جو تصور میں رہا کرتے ہیں
جو میں کرتا ہوں، برا کرتا ہوں | جو وہ کرتے ہیں بھلا کرتے ہیں
کیا عجب صفحۂ دل بھر جائے | نام دل دار لکھا کرتے ہیں
لو مُبارک ہو عمٓر میرے سعید | آپ کے حق میں دعا کرتے ہیں

ہم نے اس محفل میں آکر کیا کیا | مفت اپنے آپ کو رسوا کیا
ہوچکی مے نوشی، ہمدم چل دیئے | تُو تو غافل رات بھر سویا کیا
دیکھ کر گلچیں کو سوجھی گل کو حیف | کیوں مجھے بارنگ وبو پیدا کیا
عمر بھر بازیچۂ اطفال میں | سانگ رنگارنگ کے دیکھا کیا
ہم نوالہ، ہم پیالہ ہیں کہاں | ساتھ جن کے مدّتوں کھایا کیا
ٹل گیا وقت ان کے آنے کا تو دل | ہائے کس کس طرح سے تڑپا کیا

(حجازِ مقدس کے اردو شاعر:ص:۳۱۶)

۶۔حبیب النبی:

مولوی حبیب النبی بن مولوی ضیاء النبی ۱۲۰۸ھ میں رام پور میں پیدا ہوئے۔مولوی جمال اور مفتی شرف الدین سے کتبِ درسیہ پڑھیں۔تفسیر وحدیث کی سند مولوی نورالاسلام سے لی۔۵۵؎ مدرسۂ عالیہ کلکتہ سے بھی سند حاصل کی اور اسی مدرسے میں تدریسی فرائض انجام دیئے۔درس وتدریس کے ساتھ تصنیف وتالیف بھی مشغلہ تھا۔آپ کا وصال ۴ رجب ۱۲۶۱ھ کو کلکتہ میں ہوا۔۵۳؎ حبیب النبی نے اردو میں دو کتابیں لکھیں:

(۱) شرحِ قصیدہ طحطاویہ (۲) تحفۂ احمدی یا رقت افزا ۵۴؎

تحفۂ احمدی میں رسول اللہ ﷺ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت فاطمۃ الزّہرا رضی اللہ عنہا، حضرات حسنین اور شہدائے کربلا کے حالات بیان کیے ہیں۔۵۵؎

حبیب النبی اردو میں شاعری بھی کرتے تھے، رقّت تخلص تھا۔صاحبِ دیوان تھے مگر دیوان تلف ہوگیا۔۵۶؎ کلام اس زمانے کے عام مذاق کے مطابق عاشقانہ رنگ میں ہے۔۵۷؎ نمونۂ کلام درج ذیل ہے۔

؎ خامشی غنچے کی ہے تعلیمِ بلبل کے لیے | یعنی چپ رہنا ہے بہتر بے اثر فریاد سے

(شمیمِ سخن جلد اول، ص:۱۲۹)

؎ مثلِ حباب کھولتے ہی آنکھ تھی فنا | ہم کو دمِ نخست دمِ واپسیں ہوا

(خمخانۂ جاوید جلد سوم، ص:۴۹۳)

؎ دوسرے کا سوگ کیجیے ایک کا غم ہوچکا | اب جگر کو روئیے دل کا تو ماتم ہوچکا

ہم تو گل کھا موئے اور وہاں غیروں کو | جاتے ہیں اب تلک اپنے اوسی معمول پہ پھول

اپنی تربت پہ نہیں مارتا پتھر کوئی | چڑھتے ہوں گے کسی اللہ کے مقبول پہ پھول

(سخن شعرا:ص:۱۹۰)

۷۔رشید النبی:

رشید النبی بن حبیب النبی کی ولادت رام پور میں ہوئی۔ نام ور علمائے رام پور سے علوم متداولہ کی تحصیل کی، مدرسۂ عالیہ کلکتہ میں مدرس رہے۔ ''ہوگلی'' کے مفتی بھی تھے۔ آپ کا وصال عالمِ شباب میں ۱۲۷۴ھ میں ہوا۔۵۸ رشید النبی اردو، عربی اور فارسی میں شاعری کرتے تھے، وحشت تخلص تھا۔ اکرام احمد ضیغم کے شاگرد تھے۔ عبدالغفور نساخ رشید النبی کے شاگرد تھے۔۵۹

رشید النبی وحشت کے چند اردو اشعار درج ذیل ہیں:

؎ لطف و اشفاق وعنایات و کرم تو اک طرف | ان دنوں وہ مائل جو ر و جفا ہوتا نہیں

مشتاق سمجھ کر مجھے پردے میں ستم کے | باتیں سر محفل وہ سنا جاتے ہیں کیسے

(خمخانۂ جاوید، جلد ششم، ص:۳۶۵)

؎ شمع کا سر کاٹتے ہیں بزم میں گلگیر سے | آفتیں کیا کیا نہیں لاتی زباں بالائے سر

بار اس بزم میں وہ پاتے ہیں جو مرتے ہیں | زندگی میں کوئی ممکن ہے گزر حور کے پاس

پاس ناموس نہیں ہے دل وحشی کو کبھی | یہ نگیں وہ ہے کہ جس کو نہیں کچھ نام سے کام

سبزہ پیدا ہے تو اب بزم میں جا دیتے ہیں | باغ سبز اپنا بلاکر وہ دکھادیتے ہیں

سینہ ہے آماجگاہ ناوکِ مژگا ن یار | کون سا دل زخمی تیر قضا ہوتا نہیں

تیوریاں گل کی عوض آکر چڑھا جاتے ہیں وہ | غنچۂ دل کنجِ مرقد میں بھی وا ہوتا نہیں

حیران ہیں اگر آپ تو آئینے میں دیکھیں | پھندے میں کسی زلف کے آجاتے ہیں کیسے

وہ سبزۂ خط عالمِ وحشت میں دکھا کر　　طوطے مرے ہاتھوں کے اڑا جاتے ہیں کیسے

خون تھوکتا ہوں الفتِ ابروئے یار میں　　لکھ اے طبیب میری دوا میں ہرن کی شاخ
پہونچی نہیں ہے آہ ِشر ربار تا فلک　　پھوٹی ہے جوشِ اشک سے چرخِ کہن کی شاخ

غرق سونے میں ہے یا سونے میں مستغرق ہے وہ　　خواب و بیداری میں غافل کا وطن سونے میں ہے
(سخنِ شعرا،ص:۵۴۵۔۵۴۷)

۸۔حمید النبی:

حمید النبی بن حبیب النبی رام پور میں پیدا ہوئے۔اپنے بڑے بھائی مولوی رشید النبی سے کسبِ کمال کیا۔۱۰ شوال ۱۲۸۰ھ کو رام پور میں انتقال ہوا۔[۶۰] حمید النبی اردو اور فارسی میں شاعری کرتے تھے،''مجروحؔ''تخلص تھا۔[۶۱] نمونۂ کلام درجِ ذیل ہے:

؎ تلوار سے خوں کا مرے دھبہ نہیں جاتا　　یہ لال نشیمن سے اڑایا نہیں جاتا
ہے آتشِ یاقوت سے جو پیاس بجھانی　　یاں بوسۂ لب کا کبھی لپکا نہیں جاتا

چال بجلی کی نہ گور شہدا پر چلیے　　کشتۂ ناز ہر اک قبر میں مضطر ہوگا
وادیٔ شوق میں بتلاؤں گا میں خضر کو راہ　　دل مرا منزلِ مقصود کا رہبر ہوگا
چرخ چڑھنے سے نہیں داغِ غلامی مٹتا　　ماہ کس منہ سے ترے چہرے کے ہمسر ہوگا
(سخنِ شعرا:ص:۴۱۳)

؎ نور افزائے چمن جب وہ رخِ روشن ہوا　　پتا پتار شکِ نخلِ وادیٔ ایمن ہوا
نالۂ آتش فشاں لایا لبِ بام آپ کو　　برقِ خرمن سے چراغِ زندگی روشن ہوا
(انتخاب یادگار:ص:۳۳۶)

؎ منکرِ روزِ قیامت ترے کوچے میں تو آئیں　　روز ہوتا ہے بپا محشر تری رفتار سے

ٹیکا ہو تیرے ماتھے پہ عکس مہ تاباں　　بے پردہ شبِ مہ میں اگر تو نکل آئے
ہر موج بنے مار سیہ زہرِ الم سے　　دریا سے جو تم زلف سنوارے نکل آئے

پانی ہو نہ کیوں کر کرۂ آب میں پانی　　　بھر آئے جو اس دیدہ بے خواب میں پانی
دل صاف جو ہیں ان میں کدورت نہیں ہوتی　　　ممکن نہیں مخلوط ہو سیماب میں پانی

(سخنِ شعرا:ص:۴۱۲)

۹۔حبیب احمد:

حبیب احمد بن شاہ رؤف احمد رافتؔ کی ولادت رام پور میں ہوئی۔ عالمِ کامل تھے اور زہد و ریاضت میں فرد تھے۔[۶۲] چالیس برس کی عمر میں ۱۲۶۲ھ میں وصال ہوا۔[۶۳] اس اعتبار سے ان کی ولادت ۱۲۲۱ھ۔۱۲۲۲ھ میں ہوئی ہوگی۔

حبیب احمد شعر و شاعری کا ذوق رکھتے تھے اردو، عربی اور فارسی میں شاعری کرتے تھے۔ امیر مینائی نے ان کا تخلص حسیبؔ اور نساخ نے رویتؔ لکھا ہے۔[۶۴] فنِ شعر میں اپنے والد سے تلمذ تھا۔[۶۵] عروض و قوافی میں کمال تھا بقول نساخ شعر ان کے شیریں و نمکین ہوتے ہیں۔[۶۶] نواب شاہ جہاں بیگم والیۂ بھوپال کے استاد تھے۔[۶۷] نمونۂ کلام درجِ ذیل ہے:

؎ سحر کہتے ہیں جس کو چاک ہے اپنے گریباں کا　　　جسے کہتے ہیں بجلی، لمعہ ہے اک آہِ سوزاں کا
تصور یہ بندھا ہے مجھ کو، اس رشکِ گلستاں کا　　　نظر آتا ہے دنیا ہی میں عالم باغ رضواں کا
مزار ایسی جگہ کی جو نہ ظاہر تا کسی پر ہو　　　کہ میں کشتہ ہوں اے یارو کسی کے نازِ پنہاں کا

(سخنِ شعرا:ص:۱۹۷)

؎ گاہ گریہ، گاہ نالہ، گاہ شورش، گہ طپش　　　آپ کے غم میں یہ ہے حالت ہماری ان دنوں

(انتخابِ یادگار:ص:۱۱۴)

۱۰۔محمد مصباح:

محمد مصباح بن عبدالمغنی ۱۲۷۲ھ میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالغنی، شاہ محمد مظہر اور شاہ محمد معصوم سے کتبِ دینیہ کی تحصیل کی۔[۶۸] ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کے دوران اہلِ خانہ کے ہم راہ ہجرت کر کے مدینۂ منوّرہ چلے گئے۔ جب شریفِ مکہ نے ترکی حکومت سے جنگ شروع کی تو انھیں ترکی حکومت نے اپنے اہتمام میں حمص بھیجا جہاں ان کا وصال ۱۳۳۷ھ میں ہوا۔[۶۹] محمد مصباح اردو میں شاعری کرتے تھے۔ تخلص ''مصباحؔ'' ہے۔ امیر مینائی کے شاگرد تھے۔[۷۰] بقول امداد صابری ''ان کے کلام میں فصاحت و بلاغت ہے۔[۷۱] چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

؎ کوئی مجھ سا ہدف تیر نظر ہو تو سہی　　　اس دلیری سے بھلا سینہ سپر ہو تو سہی
ابھی گھر جانے کی فرمایئے جلدی کیا ہے　　　شب بسر ہو تو سہی وقتِ سحر ہو تو سہی
شبِ مہتاب میں جب بادہ کشی کا ہے مزہ　　　مرے پہلو میں بھی اک رشکِ قمر ہو تو سہی
کارواں نالہ و فریاد کا ہوگا ہمراہ　　　جانب ملک عدم عزم سفر ہو تو سہی

(یادگارِ ضیغم،ص:۳۱۳)

ہے کشور کونین بھی قربانِ محمد — کیا رتبہ ہے ،کیا حسن ہے ،کیا شانِ محمد
دشمن ہو اگر سارا جہاں بھی تو نہیں ڈر — سب میرے مددگار ہیں یارانِ محمد
سوطرح کے ہوں پھول جہاں میں ہمیں ان سے — پیارے ہیں بہت خار مغیلان محمد

(حجازِ مقدس کے اردو شاعر:ص:۳۵۸)

رہِ مقصود کا پورا پتہ دو یارسول اللہ — بھٹکتا ہوں مجھے رستہ بتادو یا رسول اللہ
مرے سب کام ہیں بگڑے ہوئے، میری برائی ہے — انھیں اپنی عنایت سے بنادو یا رسول اللہ
نہ ہو جائے کہیں یہ غرق دریائے معاصی میں — کنارے سے مری کشتی لگادو یارسول اللہ

سر اُٹھا سکتا نہیں، ہے شرمِ عصیاں یارسول — آپ کو ہے لُطف لایق رحم شایاں یارسول
کیوں نہ ریش پاک کو تفسیر بیضاوی کہوں — روئے روشن ہے تمھارا مثلِ قرآن یا رسول
ہو نظر لطف و کرم کی میرے حالِ زار پر — تنگ مجھ کو کررہا ہے دورِ دوراں یارسول

(ایضاً:ص:۳۵۹)

جانِ عالم، جانِ جاں، جانِ جہاں یہ ہی تو ہیں — باعثِ پیدائشِ کون و مکاں یہ ہی تو ہیں
جانِ آدم، شانِ آدم، مظہرِ جو دو کرم — عزّ وشاں،عزوشاں، فخر زماں یہ ہی تو ہیں
یہ وہی ہیں جن کی جولاں گاہ ہے عرشِ عظیم — جو گئے تھے ایک دم میں لامکاں یہ ہی تو ہیں
ناز کرتی ہے زمیں جن کے سبب سے چرخ پر — وہ شہِ عالی نسب عرش آستاں یہ ہی تو ہیں
سورت اِنَّا فَتَحْنَا اتری جن کی شان میں — وہ شہنشاہِ زمین و آسماں یہ ہی تو ہیں
جن کے پرتو سے منور شمع ماہ و مہر ہے — جن سے روشن ہے زمین وآسماں یہ ہی تو ہیں
کیا بیاں تجھ سے کروں مصباحؔ ان کے وصف میں — جن پہ عاشق ہے خدا، وہ دل ستاں یہ ہی تو ہیں

(ایضاً:ص:۳۶۰)

۱۱۔شاہ محمد معصوم:

شاہ محمد معصوم بن شاہ عبدالرشید کی ولادت ۱۰رشعبان ۱۲۶۳ھ کو دہلی میں ہوئی۔فقہ واصول کی بعض کتابیں اپنے چچا شاہ محمد مظہر اور شاہ عبدالغنی سے پڑھیں سندِ حدیث بھی ان سے لی۔اس کے علاوہ شیخ صدیق کمال مکی سے بھی حدیث کی سند حاصل کی۔۲ے جنگِ آزادی کے بعد مدینۂ منوّرہ ہجرت کر گئے۔۱۲۹۱ھ میں نواب کلب علی خان کی استدعا پر ہندوستان آئے جہاں طویل عرصہ قیام

کے بعد ۱۳۲۳ھ میں دوبارہ مدینہ گئے۔ آپ کا وصال ۱۰ شعبان ۱۳۴۱ھ کو مکہ مکرمہ میں ہوا۔ جنت المعلّٰی میں آسودہ خاک ہوئے۔ ۳ے

شاہ محمد معصوم کو شعر و شاعری سے شغف تھا۔ اردو، عربی اور فارسی میں شاعری کرتے تھے اور معصوم تخلص تھا۔ رام پور کے مشاعروں میں کلام پڑھا۔ مکہ معظّمہ اور مدینۂ منوّرہ کے مشاعروں میں بھی شرکت کی۔ ۴ے آپ نے عربی، فارسی اور اردو میں کتابیں بھی تصنیف کیں۔ اردو تصانیف کے نام یہ ہیں:

قلمی کتاب: ۱۔ ترجمہ قرآن شریف مع فوائد، سات پارے

مطبوعہ کتابیں: ۲۔ سعید البیان
۳۔ کشف الغطاء عن اہل الخطاء
۴۔ ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین
۵۔ سیر المقدسین
۶۔ سبع اسرار
۷۔ احسن الکلام فی اثبات المولد والقیام
۸۔ افصح البیان فی کشف مکائد الشیطان
۹۔ انتخاب معصوم (فارسی، اردو کلام)

ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین:

۱۴۸ صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۳۰۸ھ میں مطبع مظہر النور سے شائع ہوئی۔ اس میں شاہ محمد معصوم نے اپنے دادا شاہ احمد سعید کے علاوہ اپنے والد شاہ عبد الرشید نیز شاہ عبد المغنی، شاہ محمد عمر اور شاہ محمد مظہر وغیرہ کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے۔ بابِ اول شاہ احمد سعید مجدّدی کے احوال پر مشتمل ہے اس میں سات فصلیں ہیں۔ اس باب میں شاہ احمد سعید کے برادران شاہ عبد الغنی، شاہ عبد المغنی، صاحبزادگان شاہ محمد عمر، شاہ محمد مظہر نیز ان کے بھتیجوں اور پوتوں، اس کے علاوہ شاہ احمد سعید کے ۵۸ خلفاء و اصحاب کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو ہندوستان، افغانستان، حرمین شریفین اور دیگر بلاد سے تعلق رکھتے تھے۔ باب اول کی چھٹی فصل میں جنگِ آزادی کے دوران دہلی کے حالات اور لوگوں کی بے سروسامانی نہایت جامعیت سے بیان کی گئی ہے۔ اس فصل سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جنگِ آزادی کے دوران شاہ احمد سعید اپنے فرزندوں اور مریدین کے ہمراہ بہادر شاہ ظفر کے پاس تشریف لے گئے اور اسے کتابِ اللہ اور سنتِ رسول کے مطابق امور کی فہمایش اور نصائح کیں۔ ۵ے باب دوم میں خلفِ اکبر مسند نشین شاہ عبد الرشید کا احوال بیان کیا ہے۔ یہ باب بھی سات فصلوں پر مشتمل ہے۔ خاتمے میں شاہ محمد معصوم نے اپنی ولادت، تعلیم، بیعت، اولاد، خلفاء واصحاب کا اختصار سے ذکر کیا ہے۔ ۶ے حُسنِ خاتمہ میں اپنے اشعارِ نعتِ نبوی، ایک فارسی غزل، ایک اردو قطعہ و مثنوی اور سولہ اردو غزلیں شامل کی ہیں۔ ۷ے اس کے علاوہ مختلف اصحاب کی تقاریظ اور قطعاتِ تاریخ بھی دیئے گئے ہیں۔ ۸ے

مصنف نے بعض فارسی کتب کی عبارتوں کا ترجمہ بھی کتاب میں درج کیا ہے اور حاشیہ میں اس کی وضاحت بھی کی ہے اور متن میں جہاں ترجمہ ختم ہوا اس کی بھی نشان دہی کر دی ہے تا کہ امتیاز باقی رہے۔ شاہ محمد معصوم کی تحریر میں عالمانہ شان پائی جاتی ہے۔ ایک اقتباس بطور نمونہ درج ذیل ہے:

''جب آپ کے والد ماجد کا عزم بالجزم حرمین شریفین کا ہوا آپ کو اپنی اور اپنے پیر و مرشد کی جائے پر قائم مقام کیا،

تولیت نظم ونسق خانقاہ شریف وکتب خانہ وغیرہ کی آپ کو دی چنانچہ اسی سال میں کہ ۱۲۴۹ھ بارہ سوانچاس ہجری تھی اور عمر شریف تینتیس برس کی آپ نے مسندِ نقشبندیہ مجدّدیہ پر جلوس فرمایا۔ بکمالِ استقامتِ ظاہر و باطن زیب دہِ مسندِ ارشادِ آباءِ کرام ومشائخ عظام ہوئے۔ خلایقِ اطراف وجوانب ربعِ مسکون نے ہندوستان وخراسان وبلخ و بخارا وغیرہ سے بہرِ استفادۂ علوم ظاہری وباطنی آپ کی طرف رجوع کی۔ بعد وفات اپنے پیر و مرشد کی یعنی زمانہ حیات اپنے والدِ ماجد میں اکثر اشتغالِ درس وتدریس فرماتے تھے، بعد جلوس بر مسندِ ارشاد افادۂ علوم ظاہری و افاضۂ نسبتِ باطنی منحصر آپ کی ذات والاصفات پر ہوا۔''۷۹؎

شاہ محمد معصوم کی تحریر میں اس دور کے عام انداز کے مطابق اضافت در اضافت اور صفت در صفت کا استعمال بہ کثرت ہے نیز فارسی تراکیب وثقیل الفاظ کا استعمال بھی پایا جاتا ہے ایک مثال ملاحظہ ہو:

''سب سے بڑی کرامت دوستانِ خدا کی نزدیک محبتِ خدا واتباع سنت حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ وتصفیۂ قلوبِ مریدین وتزکیۂ نفوسِ طالبین اور زندہ کرنا دلہائے مردہ کا، دور کرنا اون سے گرفتاری ماسوا، ہدایتِ خلقِ الٰہی، حصولِ مرتبہ دوام حضور وآ گاہی، حلِ مشکلات قضائے حاجات ہے، یہ سب اوصاف آپ کی ذاتِ جامع کمالات میں ازقسم بدیہیات موجود تھے۔''۸۰؎

یہ کتاب شاہ احمد سعید، شاہ عبدالرشید نیز ان کے برادران وفرزندان، اصحاب وخلفاء کے حوالے سے مستند اور بنیادی ماخذ ہے، کیوں کہ شاہ محمد معصوم شاہ احمد سعید کے پوتے اور شاہ عبدالرشید کے فرزند تھے، اس کتاب میں ان دونوں حضرات کی جو کرامات ومکاشفات تحریر کیے گئے ہیں ان میں سے بعض کے وہ خود شاہد ہیں۔ مستند معلومات کی بناء پر یہ کتاب انتہائی اہمیت کی حامل ہے۔

انتخابِ معصوم:

شاہ محمد معصوم کا ۸۴ صفحات پر مشتمل فارسی وارد و کلام مطبع فیض الکریم، حیدر آباد دکن سے ۱۳۱۴ھ/ ۱۸۹۷ء میں ''انتخابِ معصوم'' کے تاریخی نام سے شائع ہوا۔ ''انتخابِ معصوم'' سے اس کا سنِ ترتیب ۱۳۰۰ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ دیوان دو حصوں پر مشتمل ہے حصۂ اول صفحہ ۷ تا ۲۲ فارسی کلام اور حصۂ دوم صفحہ ۲۴ تا ۸۴ اردو کلام پر مشتمل ہے۔ شاہ محمد معصوم مرزا مظہر جانِ جاناں کے شعلہ ہائے آتش عشق کے سوختہ تھے۔ انھوں نے شاعری میں کسی کی بھی شاگردی اختیار نہیں کی۔ کسی سے بھی پڑھے سیکھے بغیر اپنے شوق سے کم البتہ احباب کی خواہش پر زیادہ آغازِ جوانی سے ہی کبھی کبھار دردآمیز آہیں اور محبت خیز فریادیں فارسی زبان میں قلم بند کیں۔۸۱؎ بقول شاہ محمد معصوم:

''اگر چہ از درجہ شاعری واز مرتبہ سخنوری دون است لیکن چونکہ از مضامین عشق ومحبت ودرد وفرقت مملوشخون۔''۸۲؎

ان کے ایک دوست نے حروفِ ردیف کی قلت کے باوجود تمام غزلوں کو یک جا کر کے ۱۳۰۰ھ میں دیوان ترتیب دیا۔۸۳؎ فارسی کلام ۲۳ غزلیات، ۲ مخمس بر غزلِ مرزا مظہر جانِ جاناں، ۱ مخمس بر غزلِ شاہ محمد عمر مجددی اور ۲ مخمس بر غزلِ امیر خسرو پر مشتمل ہے۔ اردو کلام ۸۵ غزلیات پر مشتمل ہے اس کے علاوہ ایک مخمس بر غزلِ شاہ محمد عمر مجددی اور ایک مثنوی در نعت شریف بھی ہے۔ اردو کلام میں

ش،ص،ض،ط،ظ،ع،غ،ف،ق،م کے حروفِ ردیف نہیں ہیں۔

شاہ محمد معصوم نے عشقِ رسول، شوقِ زیارتِ روضۂ رسول ﷺ، مکہ و مدینہ سے دوری و ہجر کی کیفیات کو بیان کیا ہے۔ مجدّد الف ثانیؒ کی مدح میں بھی دو غزلیں کہی ہیں۔ اس کے علاوہ عشق کے سوز و گداز، ہجر و دوری کی کیفیت، وصل کی آرزو، محبوب کے حسن و جمال کے ساتھ ساتھ اس کے جور و جفا، بے پروائی کو بھی بیان کیا ہے۔ ہجر و فراق کی کیفیات کے ساتھ ساتھ عشق کی بے قراری کا بھی والہانہ اظہار موجود ہے۔ صنائع و بدائع کے عمدہ و برمحل استعمال سے اشعار کے حسن میں اضافہ ہوا ہے۔ جہاں تک ان کی زبان کا تعلق ہے تو شاہ محمد معصوم نے نہایت سادہ و عام فہم زبان استعمال کی ہے کہیں کہیں سہلِ ممتنع کی خوبی بھی پائی جاتی ہے۔ ان کے چند اشعار بطور نمونہ درج ذیل ہیں:

۔ بے صبر و بے تحمل و بے اختیار دل — قسمت میں تھا مرے یہی پروردگار دل
سنتے ہی نام اس کا ہوا بے قرار دل — ہوتا تھا پارساؤں میں تیرا شمار دل
وہ آنکھ پھوٹ جائے کہ جو ہو نہ اشک بار — جل جائے اے خدا جو نہ ہو داغ دار دل
صد ہائے دیئے ہیں اس کو جو انداز دلبری — مجھ کو بھی دینے تھے تجھے یارب ہزار دل

(ایضاً: ص: ۳۹)

۔ جہاں نقشِ پائے صنم دیکھتے ہیں — ہزاروں سروں کو قلم دیکھتے ہیں
جگر اپنا داغوں سے رشکِ چمن ہے — ہمیشہ بہارِ ارم دیکھتے ہیں
ترے عارضِ رشکِ مہ کے مقابل — مہ چار دہ کو بھی کم دیکھتے ہیں
ترا چھپنا ہم سے تو بے فائدہ ہے — کہ دل میں تو صورت رقم دیکھتے ہیں

(ایضاً: ص: ۴۰)

۔ یارب بہ سوئے وادیِ یثرب سفر کروں — خاکِ درِ رسول کو کحل البصر کروں
گر کچھ ہجومِ شوق میں میں گریہ سر کروں — عالم کو آہ و نالہ سے زیر و زبر کروں
دل میرا اشتیاقِ مدینہ سے ہے تپاں — کیوں کر زمینِ ہند میں حضرت بسر کروں
ہوجائے رشکِ ماہ مرا جسمِ عنصری — دل میں خیال روئے منوّر اگر کروں

(ایضاً: ص: ۴۵)

۔ چشم میری پر آب ہے تجھ بن — دل و سینہ کباب ہے تجھ بن
دل کو ہر دم عذاب ہے تجھ بن — جان کو اضطراب ہے تجھ بن
زلف اپنی ذرا دکھادے مجھے — دل کو اب پیچ و تاب ہے تجھ بن

تیری فرقت میں دل ہوا پر خون — خون دل اب شراب ہے تجھ بن
ایک نالہ سے ہل گیا عالم — دیکھ کیا اضطراب ہے تجھ بن
صدمے دوری کے کیا کہوں اے جان — غمِ الم بے حساب ہے تجھ بن
اب تو مرنا ہے مجھ کو عین ثواب — اور جینا عذاب ہے تجھ بن
تو جو آئے تو میں رہوں زندہ — زندگی سے جواب ہے تجھ بن

(ایضاً:ص:۴۶)

شاہ محمد معصوم نے ۵۷ غزلوں کے مقطعوں میں اپنے والد شاہ عبدالرشید کا ذکر کیا ہے چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

؎ پہنچاؤ رشیدِ دو جہاں تا درِ مقصود — مشتاق ہے معصومؔ بھی اب فیضِ الم کا

(ایضاً:ص:۲۴)

؎ رشیدِ حق کا ظلِّ عاطفت معصومؔ سر پر ہے — دمِ آخر نہیں ہے خوف مجھ کو مکرِ شیطان کا

(ایضاً:ص:۲۵)

؎ کی حضرتِ رشید نے ایسی نگاہِ لطف — معصومؔ جو نہ دیکھا تھا مجھ کو دکھا دیا

(ایضاً:ص:۲۶)

؎ ہوگیا معصومؔ کو ظلِّ الٰہی کا یقین — دستِ شفقت جب رشیدِ حق نے سر پر رکھ دیا

(ایضاً:ص:۲۷)

؎ اے مرشدِ رشید ہے معصومؔ کو امید — غافل نہ ہوں گے حشر میں لختِ جگر سے آپ

(ایضاً:ص:۳۱)

خانوادۂ مجدّ دیہ کے افراد نے اردو شعر و ادب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔انھوں نے محض تفننِ طبع کے لیے شاعری نہیں کی بلکہ ان کی شاعری دلی جذبات واحساسات کی عکاس ہے جس میں شاعری کے فن کے ساتھ ساتھ زبان کا بھی موزوں استعمال کیا گیا ہے۔اکثر نے سادہ وسہل زبان میں اپنی قلبی واردات کو قلم بند کیا ہے۔شاہ رؤف احمد،شاہ احمد سعید کی نثری تصانیف میں نثر سادہ ونثر رنگین کا امتزاج پایا جاتا ہے اگر چہ ان کی نثری تصانیف میں اضافت در اضافت،صفت در صفت اور لفظی تقدیم وتاخیر بھی موجود ہے لیکن یہ اس دور کی نثر کا عام انداز تھا۔ان نثری تصانیف نے بھی اردو نثر کے ارتقاء میں اپنا کردار ادا کیا،اس طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ خانوادۂ مجدّ دیہ کے افراد نے انیسویں صدی میں اردو ادب کے فروغ وارتقاء میں اپنا کردار ادا کیا جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

حواشی

۱۔ اشتیاق حسین قریشی، ''برّ عظیم پاک و ہند کی ملتِ اسلامیہ'' ،شعبۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی یونی ورسٹی، کراچی، ۱۹۸۳ء، ص ۱۹۰۔

۲۔ شیخ محمد اکرام، ''رودِ کوثر''، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۲۸۷۔

۳۔ شاہ رؤف احمد، ''جواہرِ علویہ''، مترجم نامعلوم، نول کشور پرنٹنگ ورکس، لاہور، سن ندارد، ص ۱۷۱۔

۴۔ ارجمند بانو افشاں، ''ریاستِ بھوپال اور مشاہیر اردو'' بھوپال ۲۰۱۲ء، ص ۲۷۷۔

۵۔ ایضاً، ص ۲۷۸۔ ۶۔ ایضاً۔

۷۔ رحمان علی، ''تذکرہ علمائے ہند'' مترجم محمد ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، ۲۰۰۳ء، ص ۱۸۴۔

۸۔ فقیر محمد جہلمی، ''حدائق الحنفیہ''، المیز ان اردو بازار، لاہور ۲۰۰۵ء، ص ۴۹۰۔

۹۔ لالہ سری رام، ''خمخانۂ جاوید''، جلد سوم، دہلی، ۱۹۱۷ء، ص: ۳۵ محمد مصطفیٰ خان شیفتہ: ''گلشنِ بے خار'' مترجم محمد احسان الحق، آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس، کراچی، ۱۹۶۲ء، ص ۲۲۲، امیر مینائی: ''انتخابِ یادگار'' تاج المطابع لکھنؤ، ۱۲۹۷ھ، ص: ۱۴۴، محمد عبدالحئ بدایونی: ''شمیمِ سخن'' جلد اول، مطبع امداد الہند، مراد آباد، سن ندارد، ص ۱۲۵۔

۱۰۔ عبدالغفور نسّاخ، ''سخنِ شعرا''، مطبع منشی نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۴ء، ص ۱۷۸۔

۱۱۔ مصطفیٰ خان شیفتہ، ''گلشنِ بے خار''، ص ۲۲۲۔

۱۲۔ سلیم حامد رضوی، ''اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ'' باب العلم پبلی کیشنز، بھوپال، ۲۰۱۴ء، ص ۱۴۳۔

۱۳۔ ابوالحسن علی ندوی، ''صحبتے با اہل دل'' کتب خانہ الفرقان لکھنؤ، ۱۹۷۷ء، ص ۲۷۔

۱۴۔ سلیم حامد رضوی، ''اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ''، ص ۱۴۳۔

۱۵۔ ایضاً، ص ۱۴۵۔ ۱۶۔ ایضاً، ص ۱۴۹۔

۱۷۔ شاہ رؤف احمد، ''مرغوبُ القلوب فی معراج المحبوب''، مطبع اعظم الاخبار، ۱۲۷۲ھ، ص ۳۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۲۶۔ ۱۹۔ ایضاً، ص ۵۳۔

۲۰۔ انور محمود خالد، ''اردو نثر میں سیرتِ رسول''، اقبال اکیڈمی پاکستان، ۱۹۸۹ء، ص ۲۵۴۔

۲۱۔ شاہ رؤف احمد، ''مولودِ احمدیہ''، بمبئی ۱۲۵۴ھ، ص ۱۸۔ ۲۲۔ شاہ رؤف احمد، ''ارکانِ اسلام''، مطبع نظامی کان پور، ۱۲۹۷ھ، ص ۹۔

۲۳۔ محمد ایوب قادری، ''اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ'' ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۴۴۵۔

۲۴۔ شاہ رؤف احمد، ''تفسیرِ رؤفی'' جلد دوم، مطبع نامی فتح الکریم، بمبئی، ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء، ص ۴۵۲۔

۲۵۔ ایضاً۔

۲۶۔ شاہ رؤف احمد، ''تفسیرِ رؤفی'' جلد اول، مطبع نامی فتح الکریم، بمبئی، ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء، ص ۰۲۔

۲۷۔ ایضاً، ص ۴۔ ۲۸۔ تفسیرِ رؤفی، جلد دوم، ص: ۲۵۸۔

۲۹۔ ایضاً، ص ۲۶۷۔
۳۰۔ ایضاً، ص ۳۶۰۔
۳۱۔ تفسیرِ رؤفی، جلد اول، ص ۴۸۳۔
۳۲۔ ایضاً، ص ۳۵۵۔
۳۳۔ تفسیرِ رؤفی، جلد دوم، ص ۴۳۳۔
۳۴۔ ایضاً، ص ۱۰۰۔
۳۵۔ احمد علی خان شوق، ''تذکرہ کاملانِ رام پور''، ہمدرد پریس، دہلی، ۱۹۱۹ء، ص ۱۴۔
۳۶۔ شاہ محمد معصوم، ''ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین''، مظہر النور، رام پور، ۱۳۰۸ھ، ص ۳۱۔
۳۷۔ غلام مصطفٰے خان، ''مقدمہ''، مشمولہ ''سعید البیان فی مولد سید الانس والجان''، حیدر آباد، ۱۳۸۵ھ، ص ۲۲۔
۳۸۔ شاہ احمد سعید، ''سعید البیان فی مولد سید الانس والجان''، شمس المطابع، میرٹھ، ۱۹۲۰ء، ص ۱۔
۳۹۔ ایضاً، ص ۱۸۔
۴۰۔ ایضاً، ص ۱۷۔
۴۱۔ ایضاً، ص ۱۸۔
۴۲۔ ایضاً، ص ۳۵۔
۴۳۔ فقیر محمد جہلمی، ''حدائق الحنفیہ''، ص ۵۰۷۔
۴۴۔ ایضاً، شاہ محمد معصوم، ''ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین''، ص ۳۳، رحمان علی: ''تذکرہ علمائے ہند''، ص ۱۷۱۔
۴۵۔ شاہ محمد معصوم، ''ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین''، ص: ۳۵۔
۴۶۔ امداد صابری، ''حجازِ مقدس کے اردو شاعر''، مکتبہ شاہراہ، دہلی، ۱۹۷۰ء، ص ۳۲۳۔
۴۷۔ شاہ محمد معصوم، ''ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین''، ص ۷۔
۴۸۔ ایضاً، ص ۶۲۔۶۴۔
۴۹۔ ایضاً، ص ۶۶۔
۵۰۔ ایضاً، ص ۳۷۔
۵۱۔ امیر مینائی، ''انتخاب یادگار''، ص ۲۳۳۔
۵۲۔ شاہ محمد معصوم، ''ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین''، ص ۳۸۔
۵۳۔ احمد علی خان شوق، ''تذکرہ کاملانِ رام پور''، ص ۱۰۱۔
۵۴۔ امیر مینائی، ''انتخابِ یادگار''، ص ۱۵۸۔
۵۵۔ محمد ایوب قادری، ''اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ''، ص ۴۸۴۔
۵۶۔ شبیر علی خان شکیب، ''رام پور کا دبستانِ شاعری''، رام پور رضا لائبریری، رام پور، ۱۹۹۹ء، ص ۲۲۱۔
۵۷۔ ایضاً۔
۵۸۔ عبدالغفور نساخ، ''سخنِ شعرا''، ص ۵۴۳، احمد علی خان شوق: ''تذکرہ کاملان رام پور''، ص ۳۱۸۔
۵۹۔ عبدالغفور نساخ، ''سخنِ شعرا''، ص ۵۴۳۔
۶۰۔ احمد علی خان شوق، ''تذکرہ کاملانِ رام پور''، ص ۱۱۸۔
۶۱۔ عبدالغفور نساخ، ''سخنِ شعرا''، ص: ۴۱۲۔
۶۲۔ احمد علی خان شوق، ''تذکرہ کاملانِ رام پور''، ص ۱۰۰۔
۶۳۔ امیر مینائی، ''انتخاب یادگار''، ص ۱۱۴۔
۶۴۔ ایضاً، عبدالغفور نساخ، ''سخنِ شعرا''، ص ۱۹۷۔
۶۵۔ امیر مینائی، ''انتخاب یادگار''، ص: ۱۱۴۔
۶۶۔ عبدالغفور نساخ، ''سخنِ شعرا''، ص ۱۹۷۔

۶۷۔ احمد علی خان شوق، ''تذکرہ کاملانِ رام پور''، ص۱۰۰۔ ۶۸۔ شاہ محمد معصوم، ''ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین''، ص۳۷۔

۶۹۔ امداد صابری، ''حجازِ مقدس کے اردو شاعر''، ص۳۵۸۔

۷۰۔ محمد عبداللہ خان ضیغم، ''یادگارِ ضیغم''، مطبع قادری، حیدر آباد دکن، ۱۳۰۳ھ، ص۳۱۳۔

۷۱۔ امداد صابری، ''حجازِ مقدس کے اردو شاعر''، ص۳۵۸۔ ۷۲۔ شاہ محمد معصوم، ''ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین''، ص۱۳۳۔

۷۳۔ امداد صابری، ''حجازِ مقدس کے اردو شاعر''، ص۳۶۹۔ ۷۴۔ ایضاً، ص۳۷۲۔

۷۵۔ شاہ محمد معصوم، ''ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین''، ص۲۳۔ ۷۶۔ ایضاً، ص۱۳۰۔

۷۷۔ ایضاً، ص۱۳۴۔ ۷۸۔ ایضاً، ص۱۴۰۔

۷۹۔ ایضاً، ص۷۔ ۸۰۔ ایضاً، ص۱۵۔

۸۱۔ شاہ محمد معصوم، ''انتخابِ معصوم''، مطبع فیض الکریم، حیدر آباد دکن، ۱۳۱۴ھ، ص۶۔

۸۲۔ ایضاً۔ ۸۳۔ ایضاً۔

فہرست اسنادِ محولہ

۱۔ احمد، شاہ رؤف: ۱۲۹۷ھ، ''ارکانِ اسلام''، مطبع نظامی، کان پور۔

۲۔ احمد، شاہ رؤف: ۱۳۰۵ھ/ ۱۸۸۷ء، ''تفسیرِ رؤفی'' جلد اول، جلد دوم، مطبع نامی فتح الکریم، بمبئی۔

۳۔ احمد، شاہ رؤف: سن ندارد، ''جواہرِ علویہ'' مترجم نامعلوم، نول کشور پرنٹنگ ورکس، لاہور۔

۴۔ احمد، شاہ رؤف: ۱۲۷۲ھ، ''مرغوب القلوب فی معراج المحبوب''، مطبع اعظم الاخبار۔

۵۔ احمد، شاہ رؤف: ۱۲۵۴ھ، ''مولودِ احمدیہ''، بمبئی۔

۶۔ افشاں، ارجمند بانو: ۲۰۱۲ء، ''ریاستِ بھوپال اور مشاہیرِ اردو'' بھوپال۔

۷۔ اکرام، شیخ محمد: ۱۹۹۵ء، ''رودِ کوثر'' ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور۔

۸۔ خان، غلام مصطفےٰ: ۱۳۸۵ھ، ''مقدمہ'' مشمولہ سعید البیان فی مولد سید الانس والجان''، حیدر آباد۔

۹۔ خالد، انور محمود: ۱۹۸۹ء، ''اردو نثر میں سیرتِ رسول'' اقبال اکیڈمی، پاکستان۔

۱۰۔ رضوی، سلیم حامد: ۲۰۱۴ء، ''اردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصہ'' باب العلم پبلی کیشنز، بھوپال۔

۱۱۔ سری رام، لالہ: ۱۹۱۷ء، ''خمخانۂ جاوید'' جلد سوم، دہلی۔

۱۲۔ سعید، شاہ احمد: ۱۹۲۰ء، ''سعید البیان فی مولد سید الانس والجان''، شمس المطابع، میرٹھ۔

۱۳۔ شکیب، شبیر علی خان: ۱۹۹۹ء، ''رام پور کا دبستانِ شاعری''، رام پور رضا لائبریری، رام پور۔

۱۴۔ شوق، احمد علی خان: ۱۹۱۹ء، ''تذکرہ کاملانِ رام پور'' ہمدرد پریس، دہلی۔

۱۵۔ شیفتہ،محمد مصطفےٰ خان:۱۹۶۲ء،''گلشنِ بے خار مترجم محمد احسان الحق،آل پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس،کراچی۔

۱۶۔ صابری،امداد:۱۹۷۰ء،''حجازِ مقدس کے اردو شاعر'' مکتبہ شاہراہ دہلی۔

۱۷۔ ضیغم،محمد عبداللہ خان:۱۳۰۳ھ''یادگارِ ضیغم''،مطبع قادری،حیدرآباد دکن۔

۱۸۔ عبدالحیٔ،محمد،بدایونی:سن ندارد،''تذکرہ شمیمِ سخن'' جلد اول،مطبع امدادالہند،مرادآباد۔

۱۹۔ علی،رحمان:۲۰۰۳ء،''تذکرہ علمائے ہند'' مترجم محمد ایوب قادری، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی،کراچی۔

۲۰۔ قادری،محمد ایوب:۱۹۸۸ء،''اردو نثر کے ارتقاء میں علماء کا حصہ'' ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،لاہور۔

۲۱۔ قاسم،قدرت اللہ:۱۹۳۳ء،''مجموعہ نغز''،پنجاب

۲۲۔ قریشی،اشتیاق حسین:۱۹۸۳ء،''برعظیم پاک وہند کی ملتِ اسلامیہ'' شعبۂ تصنیف وتالیف وترجمہ کراچی یونی ورسٹی،کراچی۔

۲۳۔ محمد،فقیر،جہلمی:۲۰۰۵ء،''حدائق الحنفیہ''،المیزان اردو بازار،لاہور

۲۴۔ معصوم،شاہ محمد:۱۳۱۴ھ،''انتخابِ معصوم''،مطبع فیض الکریم،حیدرآباد دکن۔

۲۵۔ معصوم،شاہ محمد:۱۳۰۸ھ،''ذکر السعیدین فی سیرۃ الوالدین'' مظہر النور،رام پور۔

۲۶۔ مینائی،امیر:۱۲۹۷ھ،''انتخابِ یادگار'' تاج المطابع لکھنؤ۔

۲۷۔ ندوی،ابوالحسن علی:۱۹۷۷ء،''صحبتے با اہلِ دل'' کتب خانہ الفرقان لکھنؤ۔

۲۸۔ نساخ،عبدالغفور:۱۸۷۴ء،''سخنِ شعرا''،مطبع منشی نول کشور لکھنؤ۔